الفاظِ طلاق کے متعلق اصولوں کی تفہیم وتشریح

(پہلی قسط) مفتی شعیب عالم صاحب

طلاق کے الفاظ کا فہم اور ضبط مشکل معلوم ہوتا ہے اور اس پر مبنی مسائل کے سمجھنے میں دِقت پیش آتی ہے۔ اس مشکل کی وجوہات ایک سے زیادہ ہیں۔ بڑی وجہ تو ہمارے فہم کا قصور، ذوق کا فقدان اور طلب کی کمی ہے، ورنہ مشکلے نیست کہ آسان نشود۔ فقہاء کرام تو پوری امت کی طرف سے خصوصی شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک ایسا عظیم ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے جو تمام قانونی ذخیروں پر فائق ہے اور اس کی وجہ سے اہلِ اسلام کے سر فخر سے بلند ہیں۔ مگر یہ ذخیرہ مراجعت و مزاولت چاہتا ہے، جب کہ اوقات میں برکت ہے، نہ مشاغل سے فرصت، ذوق وشوق کا فقدان اس کے علاوہ ہے اور فہم کا قصور اس پر مستزاد۔

الفاظ سے متعلق مسائل میں مشکل کی ایک وجہ خود ان الفاظ کی کثرت بلکہ بہتات ہے، جس میں بجائے کمی کے اضافہ ہو رہا ہے، پرانے الفاظ محفوظ ہو رہے ہیں اور نئے الفاظ کا ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ کتب فتاویٰ میں کنایات کی تعداد کے متعلق پچپن سے زائد (نيف وخمسة وخمسين) کا اجمالی عدد مذکور ہے۔ جب اس مجمل عدد اور مبہم تعداد کی تعیین کی کوشش کی گئی تو تعداد دوسو کے لگ بھگ معلوم ہوئی اور یہ تعداد بھی حتمی اور آخری نہیں، بلکہ تلاش اور جستجو سے اس میں مزید اضافہ ممکن ہے۔ فقہاء ہر باب کے آغاز میں اس باب کے موضوع کے متعلق خاص الفاظ اور مخصوص تعبیرات ذکر کرتے ہیں، مگر الفاظ کی اتنی بڑی تعداد کتاب الطلاق کے علاوہ کسی باب میں مذکور نہیں ہے۔

جو الفاظ متداول اور مشہور ومعروف ہیں اور طلاق کے مقصد کے لیے ان کا استعمال عام ہے، جنہیں فقہ کی زبان میں صریح کہتے ہیں، ان کی تعداد کنایات کے علاوہ ہے۔ صریح کا فہم وضبط سہل سمجھا جاتا ہے اور بے کھٹکے اس کے حکم کا بیان آسان معلوم ہوتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ آسان وہ بھی نہیں۔ ایک صاف اور سادہ جملہ اس وقت پیچیدہ اور گنجلک بن جاتا ہے، جب شوہر تعبیر بدل کر اس کا استعمال کرتا ہے۔ ایک صفت کے بڑھانے یا صریح کے آگے پیچھے کوئی جملہ استعمال کرنے سے

اس کی نوعیت عموماً بدل جاتی ہے۔ اگر نوعیت کلی طور پر تبدیل نہ ہو تو مسئلہ آسان سے مشکل اور سرسری نظر کی بجائے گہری فکر کا متقاضی ضرور بن جاتا ہے۔ یہ الجھن اس وقت شدت اختیار کر جاتی ہے، جب صریح کے بعد والا لفظ یا جملہ 'تفسیر، خبر اور انشاء کے مساوی احتمالات رکھتا ہو۔

صریح الفاظ صراحت میں بھی مساوی درجے کے نہیں ہیں، بلکہ منطقیوں کے ہاں کا کلی مشکک معلوم ہوتے ہیں۔ کچھ صریح ہیں تو کچھ أصرحُ صریحٍ۔ کچھ میں ایسے قرینے کی عدم موجودگی ضروری ہے جو طلاق کے وقوع پر دلالت کرتا ہو۔ کچھ صریح ایسے بھی ہیں جو اپنی اصل وضع کے اعتبار سے کنایہ ہیں، مگر اب صریح کے مقام پر آگئے ہیں۔ اس نوع کے الفاظ میں تنازع یہ ہے کہ یہ ہر ہر حیثیت سے صریح کے حکم میں ہیں یا فقط نیت کی احتیاج نہیں رکھتے ہیں۔

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ صریح بھی کئی انواع پر ہیں اور جب ایسا ہے تو صریح کے حکم کے بیان سے قبل اس کی نوعیت کا تعین ضروری ہے، مگر صریح کی نوعیت متعین کرنے سے پہلے خود صریح کو صریح قرار دینے کا مرحلہ پیش آتا ہے۔ اصولیوں کے ہاں جس لفظ کا معنی صاف اور واضح ہے وہ صریح ہے، مگر فقہاء کا معیار دوسرا ہے۔ یہاں کسوٹی لفظ کا کثرت سے طلاق کے لیے استعمال یا عدم استعمال ہے۔ استعمال اور عدم استعمال کا علم عام لوگوں کی بول چال اور محاورے سے ہوتا ہے، اس طرح عرف کے کوچہ و بازار کی طرف بحث کا رخ مڑ جاتا ہے۔ عرف کی گلیوں میں پھریں اور بازاروں کی سیر کریں تو ایسا کارخانہ معلوم ہوتا ہے، جہاں نئے نئے الفاظ ڈھل ڈھل کر نکلتے ہیں اور پرانے متروک اور فنا ہوتے جاتے ہیں۔ استعارے کی زبان چھوڑیں تو عرف ہی الفاظ وضع کرتا ہے، وہی ایک لفظ کو صریح اور دوسرے کو کنایہ قرار دیتا ہے اور یہی عرف ہے جو صریح کو کنایہ اور کنایہ کو صریح بنا دیتا ہے۔

انسان خود بھی کسی نہ کسی عرف کا حصہ ہوتا ہے اور عرف کی تشکیل میں اس کا شعوری یا غیر شعوری دخل ہوتا ہے، مگر شریک اور سہیم ہونے اور برسوں اس مکان کا مکین رہنے کے باوجود اپنے ہی عرف سے مبصرانہ اور ناقدانہ واقفیت کوئی ضروری نہیں ہے، جس کی وجہ عرف کی ساخت میں موجود تنوع اور لچک ہے۔ یہ نئے رنگوں میں رنگتا ہے اور جدید سانچوں میں ڈھلتا ہے۔ اس کی طبیعت میں سختی کی بجائے لچک، مزاج میں سکون اور قرار کی بجائے حرکت اور تغیر اور فطرت میں یک رنگی کی بجائے دورنگی ہے۔

ہر قوم اور برادری کے ہاں عرف کا رنگ مختلف ہوتا ہے اور ایک ہی برادری کا عرف زمان و مکان کی تبدیلی سے بدلتا رہتا ہے اور جب خود بدلتا ہے تو زبان میں بھی تبدیلی لاتا ہے اور الفاظ کے مزاج اور معانی کی طبیعت پر اثر چھوڑ جاتا ہے۔ کتنے الفاظ ایسے ہیں جو کسی زمانے میں بہت معصوم اور بے ضرر سمجھے جاتے تھے، مگر اب انتہائی زہریلے اور کاٹ دار محسوس ہوتے ہیں۔

طلاق کے معاملے میں بھی بہت سے الفاظِ کنائی بائن تھے، مگر اب رجعی ہیں اور کچھ صریح ہیں، مگر پھر بھی ان سے بائن ہی واقع ہوتی ہے، حالانکہ صریح کے عام قاعدے کے مطابق ان سے رجعی واقع ہونی چاہیے تھی۔ وجہ وہی عرف کی تبدیلی ہے، جس نے معنی میں شدت پیدا کردی ہے اور یہی شدت وخفت طلاق کے حکم اور نتیجے پر اثر انداز ہوتی ہے۔

طلاق کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت نہیں، بلکہ عموماً جذبات کی بے اعتدالی کی صورت میں دی جاتی ہے۔ اس صورت میں شوہر سے کسی علمی اسلوب کی توقع فضول ہے۔ اُس کی گفتگو میں طلاق اور غیر طلاق کے الفاظ رلے ملے اور ملے جلے ہوتے ہیں اور وہ کھچڑی سی بنا کر مفتی کے سامنے پیش کردیتا ہے۔ اس کھچڑی میں ماضی، حال اور استقبال کے صیغے بھی شامل ہوتے ہیں اور شوہر نے اُسے تاکید اور تکرار کا تڑکا بھی لگایا ہوتا ہے۔ اب مفتی کا یہ فریضہ بنتا ہے کہ وہ تاکید یا تکرار کا تعین کرے، مضارع سے موجودہ یا آئندہ کون سا زمانہ مراد ہے؟ اس کا فیصلہ کرے، نیت کی ضرورت ہو تو دریافت کرے، سیاق وسباق پر نظر رکھے اور قرائن پر مدار ہو تو انہیں زیرِ غور لائے، اور اس کے بعد طلاق کے عدد کا تعین کرے کہ مجموعی طور پر کتنی طلاقیں واقع ہوئی ہیں؟

طلاق کے عدد کے بیان کے وقت ایک تو لحوق اور عدم لحوق کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک طلاق کے بعد دوسری اور تیسری طلاق واقع ہوئی ہے یا نہیں؟ یہ فیصلہ اسی وقت بصیرت کے ساتھ کیا جاسکتا ہے جب طلاق کی سولہ صورتوں کا علم ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ کس صورت میں دوسری طلاق پہلی طلاق کے ساتھ ملحق ہوتی ہے؟

اس موقع پر دوسرا قضیہ یہ حل کرنا ہوتا ہے کہ طلاق کی نوعیت کیا ہے؟ آیا طلاق بائن واقع ہوئی اور نکاح ختم ہوگیا ہے یا رجعی پڑی ہے اور نکاح برقرار ہے؟ اس امر کا فیصلہ صرف لفظ کے صریح یا کنایہ ہونے کی بنا پر نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ صریح سے بائن بھی واقع ہوتی ہے اور کنایات سے رجعی بھی واقع ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ آٹھ دس صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں طلاقِ رجعی سے طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے۔

اگر مشکلات صرف اس قدر ہوتیں جس قدر بیان ہوئیں تو بھی کچھ زیادہ نہ تھیں، مگر اصل دِقّت اور صعوبت کنایات کے حل کرنے میں پیش آتی ہے۔ کنایات کا بیان طویل، مسائل غامض اور فہم مشکل تر ہے اور ان ہی سے فقہاء کے دِقّتِ فہم اور قوتِ فکر کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ گنتی میں کنایات کی تعداد زیادہ ہے، مگر تشریح کے ان سخت اور کڑے اصولوں کے پیش نظر جو فقہاء نے کنایات کی تعبیر وتشریح کے لیے مقرر کیے ہیں، کنایہ سے طلاق کے وقوع کا امکان بہت کم رہتا ہے۔ مزید یہ کہ کنایات میں مفتی کے دخل کو بھی شریعت نے محدود ہی رکھا ہے۔ اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ

کنایہ سے طلاق کا وقوع نیت یا دلالتِ حال پر موقوف ہوتا ہے۔ اگر نیت نہ ہو تو دلالتِ حال سے نیت کو برآمد کرنا پڑتا ہے۔ نیت تو شوہر کا داخلی جذبہ اور قلبی فعل ہے، اس لیے اس کا اظہار شوہر کے بیان پر موقوف ہے، اور اس کے کہے کا اعتبار ہوتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے بیان میں امین سمجھا جاتا ہے، جب کہ دلالتِ حال پر فیصلہ اصل میں مفتی کا نہیں، بلکہ قاضی کا منصب ہے۔ اگر اس اصل کو دیکھا جائے تو مفتی کا دخل کنایات میں کم رہ جاتا ہے، مگر چند وجوہات ایسی ہیں، جن کا بیان اپنے مقام پر آئے گا۔ اب مفتی نے قضا کی سرحدوں میں قدم رکھ دیا ہے۔

اصل مقصود افتا اور قضا کی سرحدوں کا تعین نہیں، بلکہ کنایات کی مشکلات کا بیان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کنایات کا فہم فی نفسہٖ بھی مشکل ہے، کیوں کہ اس کا مدار زبان اور محاورے پر ہے اور زبان پر گرفت ایک مدت بعد حاصل ہوتی ہے اور محاورے کا فہم آتے آتے آتا ہے۔ اس کے علاوہ کنایات میں قرائن کو بھی زیرِ غور لانا پڑتا ہے اور حسی معنوی شواہد پر بھی نظر رکھنا پڑتی ہے۔

یہ وہ وجوہات ہیں، جن کی بنا پر طلاق کے الفاظ کے متعلق مسائل کو حل کرنے میں دقت پیش آتی ہے۔ ان مشکلات کے حل کی تدبیر یہ معلوم ہوئی کہ جن اصولوں پر الفاظ کے متعلق احکام مبنی ہیں، انہیں یکجا کر کے ان کی تشریح کر دی جائے، مگر یہ اصول کسی ایک جگہ منقح شکل، منضبط صورت اور مرتب انداز میں دستیاب نہیں تھے۔ راقم نے ان کو اپنے فہم کے مطابق مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ زیرِ نظر تحریر ان ہی اصولوں کے بیان پر مشتمل ہے۔ ان اصولوں کو اصطلاحی معنی میں اصول کہنا بھی شاید بے اُصولی ہو، تاہم اتنا ضرور ہے کہ ان کی رعایت سے الفاظ کے متعلق احکام کا ضبط اور فہم آسان ہو جاتا ہے اور وہ ایک اصل پر مبنی، قاعدے کے تحت داخل، معنوی طور پر مربوط اور علت سے معلول معلوم ہونے لگتے ہیں۔ آگے ان ہی اصولوں کا بیان ہے، جنہیں فوائد سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اگر آپ گزشتہ سطور میں بیان کی گئی مشکلات میں سے کوئی مشکل محسوس کرتے ہیں اور اس کے حل میں دل چسپی رکھتے ہیں تو اس تحریر کا مطالعہ آپ کے لیے فائدے کا باعث ہوگا۔ یہ کہنا تو مبالغہ آرائی ہوگا کہ اس مضمون کے مطالعے سے وہ مشکلات ختم ہو جائیں گی، البتہ یہ عرض کرنا بے جا اور خلافِ حقیقت نہ ہوگا کہ وہ کچھ آسان ضرور ہو جائیں گی۔ اگر اس سلسلے کا مفید ہونا معلوم ہو گیا تو اختتام میں طلاق کے الفاظ کی فہرست بھی اس وضاحت کے ساتھ پیش کر دی جائے گی کہ کون سے الفاظ صریح ہیں اور کون سے کنایہ؟ پھر کنایات میں کون سے الفاظ نیت کے محتاج ہیں؟ اور کن سے حالتِ غضب، مذاکرے اور رضا میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ جو اصول زیرِ بحث آئیں گے، الفاظ کے ساتھ ان کی عملی تطبیق بھی کر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ سلسلہ مفید ثابت ہو، آمین۔ **وماذلک علی اللّٰہ بعزیز۔**